بابر حسین

اسکالر پی ایچ۔ڈی اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو ئجز، اسلام آباد

ڈاکٹر محمد افضال بٹ

صدرِ شعبہ اردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیال کوٹ

رشید امجد کے افسانوں میں دہشت گردی بطور موضوع

Babar Hussain
Scholar Ph.D Urdu, National University of Modern Languages, Islamabad.
Dr. Muhammad AFzal Butt
Chairperson, Department of Urdu, GC Women University, Sialkot.

Terrorism as a Theme in Rashid Amjad's Fiction

Terrorism is a well Known term. It is means any action whitch creats harassment and fear amind the people of same region or a country and the perpetrator who fabricate the problem are called Terroists , Terrorism is considered the most serious threat in any society.This has become a huge security challenge for a country to sustain its sovereighty. Terrorism has also had a profound effect on world literature of urdu literature simultaneously i.e Ghazal,Nazam,Novel and short stories Many Urdu fiction writers have generated the best literature in contaxt of terrorism Dr Rashid Amjad is also a well Known name in urdu fiction . He has written important short stories regarding terrorism in which he has adopted symbolic style. In this article we discuss the terrorism as a theme in Dr Rashid Amjad fiction.

Key Words: *Terrorism, Action, Harassment, Fear, Region, Country, Terroists, Security Challenge, Sustain, Profound, Effect.*

موضوع کی ضرورت و اہمیت ایک خام مال کی طرح ہے ایک افسانہ نگار اپنے خیالات کا اظہار اپنی افسانہ نگاری کے ذریعے کرتا ہے۔ اور اسی کو افسانہ نگار کا رجحان کہا جاتا ہے۔ حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ موضوع میں تنوع اور تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ بعض موضوعات انفرادی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں جبکہ بعض اجتماعی دائرہ

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

کار کی عکاسی کرتے ہیں۔ اجتماعی موضوعات میں سیاسی، مذہبی، ثقافتی، معاشی، جبر واستحصال، جنگ و جدل، جنسی تشدد، اضطراب، مابعد الطبیعاتی بعض موضوعات ہنگامی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ جب کہ بعض آفاقی حیثیت کے ہوتے ہیں۔ اور یہی موضوعات یونیورسل کہلاتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ ہر دور میں مختلف تحریکیں اٹھتی اور دم توڑتی رہی ہیں۔ رجحانات بھی اُٹھتے اور ختم ہوتے رہے۔ بنیادی طور پر رجحان ایک داخلی چیز ہے لیکن اس کی تعمیر نو میں خارجی حالات وواقعات کا عمل دخل ہوتا ہے۔

افسانہ نگار موضوع کا انتخاب اپنی طبیعت اور حالات کے پیش نظر کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے اسلوب، تیکنیک اور ہیئت کے جواہر دکھا کر کہانی کے روپ میں پیش کرتا ہے۔ جیسے انتظار حسین نے ہجرت کو اپنا موضوع بنایا، پریم چند نے دیہی زندگی کی عکاسی کی۔ اردو ادب میں افسانہ نگاری کا آغاز وارتقا مغربی ادب کا مرہون منت ہے۔ اردو افسانے نے تمام اصناف ادب میں سب سے زیادہ مقبولیت حاصل کی۔ اور جو اردو افسانہ زندگی کے بے شمار اتار چڑھاو دیکھتے ہوئے ہم تک پہنچاہے۔ وہ زندگی کی گوناگوں رعنائیاں کے ساتھ ساتھ تمام تر تند و تلخ حقائق کا عکاس بھی ہے۔ کیونکہ ممکن تھا کہ دہشت گردی جیسے ہولناک واقعات سے ہمارے افسانہ نگار متاثر نہ ہوتے۔

دہشت گردی کا واقعہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ ہر شخص ان سانحات کے بارے میں بخوبی جانتا ہے۔ یہ سانحات ہماری زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ ملکی اور غیر ملکی سانحات بھی ہمارے افسانہ نگاروں کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ماضی میں ایسے بے شمار واقعات رونما ہوئے ہیں جنہوں نے دنیا کی بساط کو اُلٹ کر رکھ دیا ہے۔ ایسے ہی واقعات میں ۱۱/۹ کا واقعہ بھی ایک ہے۔ یہ دہشت گردی کے عظیم واقعات میں سے تھا۔ جس نے افسانہ نگاروں کی توجہ اپنی طرف مرکوز کی اور پاکستانی افسانہ نگاروں نے ایسے تمام ہولناک واقعات کا نقشہ کھینچ کر ہمارے سامنے رکھ دیا جنہوں نے مختلف اوقات میں تکالیف اُٹھائی تھیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ موضوعات نے ایک بڑی کروٹ لی جس میں افسانہ حقیقت کی جانب راغب ہوا اور بے شمار افسانہ نگاروں نے دہشت گردی جیسے واقعات کو موضوع بنایا گیا۔ مثلاً مسعود مفتی، نیلوفر اقبال، آصف فرخی، زاہدہ حنا، طاہرہ اقبال جیسے اعلیٰ پایہ کے افسانہ نگاروں نے دہشت گردی کو افسانے کا موضوع بنایا۔ ان موضوعات پر لکھنے والوں میں رشید امجد کا نام سر فہرست ہے۔

رشید امجد نے موضوع بیان کرنے کا جو قرینہ منتخب کیا ہے وہ انہیں دیگر افسانہ نگاروں سے منفرد اور نمایاں مقام دلاتا ہے۔ آپ وقت اور حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی کہانیاں کو رقم کرتے ہیں۔ آپ ناآسودگی اور

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

ٹوٹ پھوٹ کے نمائندہ لکھاریوں میں سے ایک ہیں۔ یہ ٹوٹ پھوٹ ہی دراصل دہشت، خوف، کرب، ان کے افسانوں کا موضوع بنتا ہے۔ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی اس حوالے سے یوں رقم طراز:

> "رشید امجد نے علم حاصل ہی نہیں کیا، علم کو برتا بھی ہے اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ علم حاصل کرنے کی لگن نے ہی رشید امجد کو اخلاقیات اور انسانیت کے قریب کر دیا۔"(۱)

رشید امجد کا تجریدی اور علامتی لب ولہجہ مل کر ان کا الگ تشخص قائم کرتے ہیں۔ دہشت گردی کے موضوع پر ڈاکٹر رشید امجد نے کافی افسانے تخلیق کیے۔ اس حوالے سے ان کا ایک منفرد افسانہ "پژمردہ کا تبسم" نہایت اہم ہے جس میں علامت نگاری کے ذریعے تمام منظر نامہ بیان کیا گیا ہے۔ کس طرح طاقت ور قومیں کم زور اور بے بس ممالک اور وہاں پر رہنے والوں کو عتاب کا نشانہ بناتی ہے۔ مجبور اور بے بس لوگ اپنی حالت زار پر ماتم ہی کرتے نظر آتے ہیں کیوں کہ طاقت ور سے مقابلہ کرنے کی اُن میں ہمت نہیں۔

> "مرغانہ نے ریشمی تکیے سے سر اُٹھایا لمبے بالوں کو سیدھا کر کے پشت پر ڈال کر باندھا بستر کی گرمی شہنشاہ کے جانے کی خبر دے رہی تھی۔ قلعہ کے اندر سے مسجد نظر نہیں آتی۔ لیکن ابھی ابھی وہ اوپر کی سیڑھی پر بڑے دروازے سے ذراہٹ کر ٹھنڈے فرش پر اکڑوں بیٹھا مسلسل قلعہ کی دیواروں کو دیکھے جارہا تھا۔"(۲)

اس افسانے میں طاقتور اقوام کو کم زور اقوام پر اپنا تسلط برقرار رکھتے ہوئے دکھایا گیا ہے، کہ کم زور ممالک پر قبضہ کرنے کے بعد اُن کی املاک کو اپنی جاگیر کا حصہ سمجھتے ہیں اور بے بس لوگوں آہ و بکا بھی نہیں کرسکتے۔ رشید امجد تاریخ میں پنہاں اوراق کو منظر عام پر لاتے ہیں۔ جس میں ہر جگہ وحشت، ڈر اور خوف کے بادل منڈلا رہے ہیں دور دور تک امید کی کوئی کرن تک نظر آتی جسم کے ساتھ روح کی تباہی تک ہو جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ عروج وزوال کی کہانی کو بھی قلمبند کیا گیا ہے۔

"وہ دعا مانگ رہا تھا کی ایک ملنگ اس کے قریب آیا۔ چند لمحے غور سے اسے دیکھتا رہا پھر جیسے خود ہی بات کر رہا ہو؟ بولا۔۔۔۔۔ لٹ تو بس کچھ گیا ہے لیکن کوئی اور تو منتظر ہے۔" جلدی سے دعا مانگ کر دائیں بائیں دیکھا، ملنگ جیسے ہوا میں تحلیل ہو گیا تھا۔ دلی آکر معلوم ہوا جیسے سب کچھ لٹ چکا ہے اور اب نظام الدین کے احاطہ میں

قدم رکھتے ہوئے یک لخت سکون آ گیا۔ دروازے سے ایک بادشاہ جا رہا تھا اور ایک آ رہا تھا۔۔۔۔۔ یا شیخ یہ عروج و زوال کیا ہے۔ دن روشنی ہے تو رات تاریکی، لیکن روشنی اور تاریکی تو ایک ہی ہیں۔"(۳)

رشید امجد کا نام علامتی حوالے سے نہایت معتبر مانا جاتا ہے بیشتر افسانوں میں ان ان کا انداز علامتی ہی رہا ہے۔ ان کے افسانوں میں گہرائی کے ساتھ ساتھ گیرائی بھی ہے۔ ان کا منفرد افسانہ "شہر گریہ" دیگر افسانوں کی نسبت قدرے مختلف ہیں۔ جس میں آئے روز بم دھماکوں کی وجہ سے ملکی صورت حال کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ بڑے بڑے حوادث پر بھی اب کوئی حیرت نہیں ہوتی کیوں کہ یہ آئے روز کا معمول بن چکا ہے۔ اس افسانے میں کی علامت بیان کی گئی ہے۔ جو کہ ایک تلمیح بھی ہے کہ جس طرح بخت نصر نے ان سب کو بابل و نینوا میں قیدی بنا کر رکھا ہوا تھا۔

"وہ روتا تھا اس طرح روتا تھا جس طرح روتا تھا جس طرح بنی اسرائیل روتے تھے اُن فضاؤں کو یاد کر کے جہاں وہ سر اُٹھا کر چلتے تھے زیتون کی سرسبز شاخوں کو یاد کر کے اور اس ہیکل کو یاد کر کے جس کی اینٹ اینٹ بجا دی گئی تھی۔ کچھ بھی نہیں تھا بچا اب صرف دیوار گریہ تھی۔"(۴)

افسانہ نگار ماضی کی حسین یادوں کو سامنے لاتے ہیں۔ موضی اور حال کی کیا صورت حال اب کس طرح کی ہو گئی ہیں۔ پہلے سب لوگ آباد تھے اب ہر جگہ تباہی و بربادی نظر آتی ہیں۔ صحیح سے اپنی تاریخ اور جغرافیہ کے بارے میں بھی یاد نہیں۔

"میری تاریخ کیا ہے، میرا جغرافیہ کیا ہے؟ یہ سب تو زندہ لوگوں کے لیے ہوتا اور وہ نہ زندوں میں تھا، نہ مردوں میں۔،،

شہر کی رونقیں تھیں، خواب تھے، حقیقتیں بھی تھیں، بچے مستقبل کی روپہلی سیڑھیوں پر زینہ زینہ چڑھ رہے تھے، بیوی کی گنگناہٹیں آنگن کی چمکتی کرنیں تھیں اور شام کو دوستوں کے ساتھ فلسفیانہ بحثیں۔"(۵)

اس افسانے میں بتایا گیا ہے کہ حادثے کس طرح انسان کی زندگی کو بدل کر رکھ دیتے ہیں اور کس طرح تبدیلیاں وقوع پذیر ہوتی ہے اور آئے روز دہشت گردی کے واقعات اور خود کش حملوں کو علامتی انداز اپناتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح جنت و دوزخ کے بارے میں لوگوں کو گمراہ کیا جاتا ہے۔

"سفید ریش کے کہنے پر دو تین موڑ مڑ کر ممنوعہ سڑک پر بڑھنے ہی والا تھا کہ سفید ریش کے موبائل کی گھنٹی بجی۔ وہ کچھ دیر سنتا رہا، پھر بولا، "واپس مڑو، شاید ابھی تمہارے نصیبوں میں جنت نہیں، پروگرام بدل گیا ہے،

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

اگلے موڑ پر مجھے اتار دو اور خبر دار پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا۔" آئی جنت ہاتھ سے نکل گئی،،۔۔۔ پسینہ پسینہ ہونے کے باوجود کھلکھلا کر ہنسا۔

اس طرح اب کئی لوگ جنت میں جانے کو مجبور تھے۔ بس احتیاط ہی تھی کہ گاڑی کے دروازے بند رکھو، کسی کو لفٹ نہ دو لیکن کسی بھی جگہ کوئی اور کہاں ہے، یہ کیسے معلوم ؟۔"[۶]

ماضی سے حال کی جانب یہ سفر انتہائی تکلیف دہ ہے۔ جس میں ماضی کی خوش گوار یادیں حال میں عذاب بن چکی ہیں۔ اس حوالے سے رشید امجد کا ایک تمثیلی انداز میں افسانہ "مجال خواب" ہے اس افسانے میں تمثیلی انداز میں اقوام کے عروج وزوال کو قبرستان کے سفر کے ساتھ بیان کیا گیا ہیں اور راوی مختلف قبریں اور کتبے دیکھتا جہاں ہر عروج وزوال کی کئی داستانیں رقم تھی اور ہر کتبہ ایک الگ اور منفرد کہانی کو پیش کرتا ہے۔

"آخرت تنگ آ کر اس نے کہا۔ میں تاریخ کے قبرستان میں ایک بار پھر جانا چاہتا ہوں،،۔ مرشد کچھ دیر چپ رہا، پھر بولا۔،، کیا کروگے جا کر،،۔ دیکھوں گا کہ یہ عروج وزوال آخر ہے کیا،،۔ مرشد نے شانے اُچکائے۔،، تو چلو،، ہر قبر کے کتبے پر عروج وزوال کی پوری داستان رقم تھی۔ وہ ہر قبر پر رکتا، سارا کتبہ پڑھتا۔ "یارب تغیر! یہ کیا اسرار ہے کہ ساری داستانیں ایک سی ہیں، لیکن کسی نے کسی سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔،،[۷]

اس افسانے میں مرشد بتاتا ہے کہ عروج ایک نشہ ہے جس کی وجہ سے عقل کام کرنا چھوڑ دیتی اور انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔ مرشد راوی کی رہنمائی کرتے ہوئے اُسے سب کچھ بیان کر دیتا ہے۔ وقت کا تعلق صرف زندگی کے ساتھ جڑا ہوتا ہے جب کہ قبرستان میں اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ نیز ہر قبر ایک گزرا ہوا زمانہ یعنی ماضی ہوتا ہے جبکہ دوسری جانب کتبہ اس کا کھلا چہرہ ہوتا ہے جس پر سب کچھ عیاں ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ راوی اپنی قبر کی تلاش شروع کر دیتا ہے اُسے نہ اپنی قبر ملتی ہیں اور نہ ہی اپنا کتبہ تھوڑی دیر بعد اسے معلوم ہوتا ہے کہ مرشد تو بڑی دیر کا جا چکا ہے۔ پھر اسے مولوم ہوتا ہے نہ وہ زندہ ہے نہ مردہ یہیں اس کی سزا اور عذاب ہیں۔

"تم بتاو میری قبر کہاں ہے اور میرا کتبہ کون سا ہے؟" جان کر کیا کروگئے ؟" مرشد نے پوچھا۔ یہ کہ میں زندہ ہوں یا مردہ" قبروں کی تلاش کرنے والے زندہ میں نہیں ہوتے۔ مرشد نے اس کی آنکھوں میں جانکا۔ لیکن میں مردہ میں بھی نہیں"۔ اُس نے تیزی سے کہا" یہی تمہارا عذاب ہے۔"[۸]

ڈاکٹر رشید امجد کے افسانوں میں ایک ایسی خواب ناک کیفیت ملتی ہے جسے محسوس کر کے انسان سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ زندگی کا حاصل کیا ہے۔ موت کے بعد کی زندگی کیا ہے ؟ اور زندگی اصل حقیقتیں کیا ہیں۔ ایسا

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

معلوم ہوتا ہے جیسے افسانہ نگار حقیقت کی تلاش میں سر گرداں ہے۔ اور اس کے لیے نامعلوم کے سفر کے دوران ایک ایسے کرب، اذیت اور بے قراری کا شکار رہے۔ جہاں زندگی انسان کے لیے بے معنی ہو جاتی ہے۔ اس سے اس بات کا احساس ہوتا ہے ایک سچا کہانی کار اپنے گرد و پیش کے عمیق اور گہرے مشاہدات ایسے بیان کر رہا ہے کہ کہانی پن کا عنصر کہیں او جھل نہیں ہوتا۔ مثلاً افسانہ "غالب خستہ کے بغیر"

"پھر اس کی آنکھیں کھلیں، ہڈیوں بھرے وجود میں، جہاں اب گوشت صرف چمڑی کی صورت رہ گیا تھا، سانس نے کروٹ لی، اُس نے جانا اور اسے بیان کیا۔۔۔۔ پھر ہمیشہ کے لیے گم ہو گیا، یہی ہوتا ہے، جاننا۔۔۔ جاننے کے لیے تپسیا کرنا، وجود کا گوشت چمڑی میں بدلوا لینا، اور حقیقت، حقیقت کے سایہ ذرا سے حصے کو جان لینا، یہی اس جان لیوا مراقبے کا انعام ہے، لیکن حقیقت کی اتھاہ کیا ہے۔"(۹)

اس افسانے میں مصنف نے زندگی کے سفر میں وقت کی قید کی جانب اشارہ کیا ہے کہ انسان اپنے پیچھے محلات کی چکا چوند، انمول رشتے غرض سب کچھ چھوڑ جاتا ہے۔ مرشد اور افسانے کے مرکزی کردار کے درمیان چند مکالمے ملاحظہ ہوں:

> "مرشد کہتا ہے۔۔۔ "وقت ایک حقیقت ہے لیکن ہم بے حقیقت ہیں۔" وہ پوچھتا ہے۔۔ "زماں کی قید اور کشش کی قید کہ ہم اس زماں و مکان سے جڑے ہوِے ہیں، چاہیں بھی تو اس سے باہر نہیں نکل سکتے، کیوں؟" مرشد مسکراتا ہے "یہ تینوں اس کی صفات ہیں۔"(۹)

راز، بھید، مرشد، خسارے کی زندگی، مجذوبیت، داخل اور خارج کی جنگ، ماضی حال اور مستقبل کی طرف چلتی ہوئی گزر گاہ، ہر چیز ہی سفر کی حالت میں ہے۔ ان کے ہاں رواں دواں زندگی میں دہشت گردی کے عفریت کی یک دم آمد انتہائی تکلیف دہ تجربہ ہے۔"(۱۰)

رشید امجد کے ان افسانوں میں تفکر کی ایک فضا سی قائم ہے جس سے ان کی غور و فکر کا تسلسل اور روانی نظر آتی ہے۔ انہوں نے دہشت زدہ ماحول میں یقینی اور بے یقینی کی کیفیت کو نہایت نفاست سے صفحہ کی زینت بنایا ہے۔ گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

> "رشید امجد کا فن احساس کی ان سطحوں کو چھونے کی جانب سرگرم سفر ہے۔ جو آسانی سے دسترس میں نہیں آتیں وہ ان مسلوں اور الجھنوں کے بارے میں سوال اٹھاتے ہیں۔ جنہیں آج کے انسان نے نئے عہد کا موڑ مڑتے ہی اچانک سامنے پایا ہے۔"(۱۱)

دہشت گردی کے تناظر میں لکھے گئے افسانوں میں ڈاکٹر رشید امجد نے علامت نگاری کے حوالے سے عمومی اور خارجی معانی و مفاہیم کی دنیا آباد کی ہے۔ یہ افسانے زیست کے ظاہری مفاہیم کی بجائے اسے داخلی مفاہیم سے ہم کنار کرتے ہیں۔ ان افسانوں کی کہانیاں حیات و محات کے ان شکستہ موضوعات کی عکاس ہیں جو کہ گھن کی طرح اس معاشرے کو چاٹ رہے ہیں۔ وہ معاشرہ جہاں کے اشرافیہ کے ارد گرد ہی سارا نظام گھومتا ہے اور عوام چاہے جبر اور بربریت کی سولی پر ہی کیوں نہ لٹک جائیں، ان کے حقوق یا جان و مال کی حفاظت کسی کی ذمہ داری نہیں۔ افسانہ "رات" اس ضمن میں بہترین مثال ہے۔ اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> "وہ شہر جانے والی شاہراہ کے بیچ و بیچ سر پاوں تک خوف میں لتھڑا کھڑا ہے یا شاید خوف کی ٹھنڈک سے کانپ رہا ہے۔ صدیوں پہلے جب یہ شاہراہ کچا راستہ تھی اور قافلے اس سے گزر کر شہر کے قریب پہنچتے تھے تو فصیل کے بند دروازوں کے قریب اونچی دیوار کے ساتھ شب بسری کے لیے عمامے کھول کر دیوار سے ٹیک لگائے صبح کا انتظار کرتے تھے۔ اب فصیل ہے نہ دروازہ، پولیس کے بیریئرز ہیں اور ان پر ٹکی ہوئی بندوق کی نالی ہے جو دہشت گرد اور عام شخص میں تمیز نہیں کر سکتی۔ صبح دفتر جاتے ہوئے اسے تین چار جگہوں پر ان بیریئرز سے گزرنا پڑتا ہے۔ رات بھر کا جاگا ہوا سپاہی، انگلی ٹریگر اور نالی سامنے، اسے کئی بار خیال آیا کہ اگر اونگھتے ہوئے یا بے خیالی میں انگلی دب گئی تو۔۔۔اس کی گاڑی بالکل سامنے ہے۔"(۱۱)

یعنی بادشاہ سلامت کی حفاظت ہی دراصل ریاست کی حفاظت ہے۔ اس کے لیے چاہیے کوئی مرتا مر جائے، وہ معمول کی بات ہے روزمرہ کے دہشت گردی کے واقعات سے اخبارات کی شہ سرخیاں چیخ چیخ کر ظلم و بربریت کی روداد سنا رہی ہوتی ہیں۔ بم دھماکے بھی آج کے دور میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔

"خوف قطرہ قطرہ ٹپکتا ہے۔ وجود کی مٹی میں نمی بڑھتی جاتی ہے۔ نمی۔۔۔نمی اور وجود بھرا بھرا کر زمین پر ڈھیر ہو جاتا ہے۔ لمحہ بھر میں بہہ کر کسی نالی یا گڑ میں جا گرتا ہے۔ لوگ بھر بھر کر ختم ہو رہے ہیں اور بادشاہ

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

سلامت کے محفل میں آبنوسی دیواروں اور منقش انگیٹھیوں میں جلتی نرم ملائم آگ کی ہلکی ہلکی روشنی میں جام، جام سے ٹکراتے ہیں۔ بادشاہ سلامت کی گود میں بیٹھی بلوری آنکھوں والی کہتی ہے۔۔۔۔"سنا ہے شہر میں لوگ کھڑے کھڑے پانی ہوئے جاتے ہیں۔ دائیں طرف بیٹھا ہوا مٹکا نما شخص ہنستا ہے۔۔۔۔"یہ تو قدرت نے آبادی کم کرنے کا طریقہ خود ہی پیدا کر دیا ہے۔"(۱۲)

افسانوں میں کہانی کہنے کا قرینہ اپنی جگہ قائم ہے۔ مگر مصنف کے شب و روز کا ایک ایک پل اور ان کے تاثرات و خیالات کا ایک ایک جز وان کی کہانیاں نہایت صدق دلی سے سمیٹ رہی ہیں۔ جن کا علم وہ شاید افسانہ نگار کو بھی نہیں ہونے دیتی کہ کہاں کہاں اور کیسے کیسے ان کے داخلی کرب میں شریک سفر بنتی چلی جاتی ہیں۔ جس کی وجہ سے رت جگوں کی ہلکی ہلکی سی آنچ نہ دکھنے والا کرب بھی سرایت کر جاتا ہے۔ منشا یاد ان کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

" ان کے افسانوں میں اپنے عہد کا دل دھڑکتا ہے۔ انہوں نے اپنے عصر کے سیاسی، سماجی اور خارجی معاملات و مسائل کے ساتھ ساتھ انسان کی باطنی دنیا میں ہونے والی توڑ پھوڑ اور آشوب کو بھی گرفت میں لینے کی کوشش کی ہے۔"(۱۳)

دہشت گردی کے تناظر میں لکھے گئے افسانوں میں ایک بات بار بار باور کرائی گئی ہے کہ دنیا طاقت ور کی ہے۔ کم زور اور تسپت طقے ازل سے ہی فنا ہوتے رہے ہیں۔ "پژمردہ کا تبسم" میں استحصال کی یہی کہانی سامنے آتی ہے۔

" دلی آکر معلوم ہوا کہ سب کچھ لٹ چکا ہے اور اب نظام الدین کے احاطہ میں قدم رکھتے ہوئے یک لخت سکون آگیا۔ دروازے سے ایک بادشاہ جارہا تھا اور ایک آرہا تھا۔۔۔ یا شیخ یہ عروج وزوال کیا ہے؟ دن روشنی ہے تو رات تاریکی، لیکن روشنی اور تاریکی تو ایک ہی ہیں۔ نقطہ دائرے کا مرکز ہے لیکن تنہا دائرے کی حدوں کو نہیں چھو سکتا۔ دائرے کا مرکز لیکن دائرے کا قیدی۔ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہوئے اس داتا صاحب کے ملنگ کی بات یاد آئی ۔۔۔۔ کون میرا منتظر ہے؟ دعا مانگ کر وہ سنگ مرمر کے ٹھنڈے فرش پر بیٹھ گیا۔ ایک عجب لذت کا احساس ہوا چراغ علی مسلسل اس دیکھے جارہا تھا۔"(۱۴)

رشید امجد کے افسانوں اسلوب اور تیکنیک کے تجربات کیے گئے ہیں۔ زندگی کے حرکیاتی نظام میں مسلسل تنوع کہانی میں جدت اور کلاسیکیت پیدا کرتا ہے۔ عصر حاضر کے افسانے میں علامت کا شعوری استقال زیادہ

ہے۔ دہشت گردی پر لکھے گئے رشید امجد کے افسانوں میں اختصار کے باوجود معانی و مفاہیم کا جہاں دگر آباد ہے۔ ان کے جملوں کی فکری و معروضی ساختیات ان کو انفرادیت عطا کرتی ہے۔ ان کے ان افسانوں میں حال اور ماضی کا سلسلہ در سلسلہ بیان کرنے کی خوب صورتی میں مزید اضافہ کرتا ہے۔ ان افسانوں میں معاشرتی بے حسی اور سفاکی کی تجریدی صورت میں ڈھالا گیا ہے۔ جس سے پورے کا پورا کینوس ہی دکھ اور کرب کی جیتی جاگتی تصویر بن کر رہ جاتا ہے۔ رشید امجد نے دراصل عام آدمی کی کہانیاں لکھی ہیں جو دراصل افسانہ نگار کی نظر میں سب سے خاص ہے۔ جس طرح سے انہوں نے فلسفہ زمان و مکان کو کہانی میں جس طرح سمو دیا ہے وہ افسانے کی تاریخ میں رشید امجد کے نام سے ہی منسوب رہے گا۔ اشاروں کنایوں کی زبان اور علامتی انداز زمان و مکان کی قید سے مبرا ہوتا ہے۔ جن میں عام آدمی کا کوئی نام تو نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک استعارہ بن کر ابھرا ہے۔ مزید برآں ان کے متذکرہ افسانوں میں صیغئہ واحد متکلم کہانی کا روح رواں ہے۔

اپنی ذات کی تلاش تو کہیں اپنے آپ میں تنہائی کی چوٹ کھانا، کبھی اپنے ہونے یا نہ ہونے کے جواز تلاش کرنا، کہیں اپنی ہی ذات سے مکالمے کا سا انداز اور کہیں اپنے تجربات پیش کرنا۔ دراصل یہی صیغئہ واحد متکلم ہے ان کے ان افسانوں میں کا مطالعہ اپنی شناخت از خود کراتا نظر آتا ہے۔ ان افسانوں کی کہانیاں اکثر بھرپور تاثر اور اختصار کے پیش منظر سے جنم لیتی ہیں۔ ان کا اسلوب موضوع کی کوکھ سے ہی جنم لیتا ہے ان کے ہاں علامات تشبیہ اور استعارہ سبھی کا استعمال نہایت برجستہ ہے۔

المختصر رشید امجد نے شکست خوردہ اور دہشت زدہ معاشرے کو بے نقاب کیا ہے۔ اصطراب اور بے یقینی کے باعث پورا معاشرہ ہی ناقابل شناخت ہوتا جا رہا ہے۔ درحقیقت افسانہ نگار اپنے اس نظام کی ٹوٹ پھوٹ اور اپنے شہروں کی انسان کے ہاتھوں تباہی پر فریادی ہے وہ نظام جو ایک تماشہ گاہ ہے۔ اور سب کے سب محفل تماشائی۔

حوالہ جات

۱. حسرت کاسگنجوی، رشید امجد ایک مطالعہ ترتیب و تعارف، ڈاکٹر شفیق انجم، نقش گر، راولپنڈی، ۲۰۰۹ء، ص ۱۴۹

۲. رشید امجد، پژمردہ کا تبسم، مشمولہ، گملے میں اُگا ہوا شہر، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد، مئی ۲۰۱۵ء، ص ۲۳۹- ۲۴۰

۳. پژمردہ کا تبسم، ص ۲۴۱

۴. رشید امجد، شہر گریہ، مشمولہ، دکھ ایک چڑیا ہے، نیشنل بُک فاونڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۶ء، ص ۱۹
۵. شہر گریہ، ص ۲۰
۶. شہر گریہ، ص ۲۰-۲۱
۷. نجیبہ عارف، ڈاکٹر، مجال خواب، رشید امجد، ۱۱/۹ اور پاکستانی اردو افسانہ، پورب اکادمی، اسلام آباد، ص ۱۰۹
۸. ایضاً، ص ۱۱۱
۹. رشید امجد، غالب خستہ کے بغیر، مشمولہ، دکھ ایک چڑیا ہے، نیشنل بُک فاونڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۶ء، ص ۷۵-۷۶
۱۰. رشید امجد، شہر گریہ، مشمولہ دُکھ ایک چڑیا ہے، نیشنل بُک فاونڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۶ء، ص ۲۱
۱۱. رشید امجد، رات، ص ۳۵۳
۱۲. ایضاً، ص ۳۵۴
۱۳. منشایاد، ایک عام آدمی کا خواب، مطبوعہ جدید، جرمنی، شمارہ ۸،
۱۴. پژمردہ کا تبسم، ص ۲۵۵